ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

**محمد اعظم**
پی ایچ ڈی (اردو) ریسرچ اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
**ڈاکٹر ارشاد بیگم**
سینیر انسٹرکٹر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

# "دلی کی شام" کا مابعد نو آبادیاتی تناظر میں تحقیقی جائزہ

**Muhammad Azam**
Ph.D (Urdu) Research Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad.
**Dr. Irshaad Begum***
Senior Instructor, National University of Modern Languages, Islamabad.

***Corresponding Author:** irbegum@numl.edu.pk

# A Research Review of "Dehli Ki Sham" in Postcolonial Context

Colonialism may be defined as to control an independent territory by other people without inhabitant will and wish. These people are called colonizers. They make reasonable arrangements for their residence and livelihood and occupy the resources of the local population by usurping their rights. The colonized are outnumbered but cannot challenge the power and resources of the colonizer. They willingly accept the rules laid down by the colonizer. Homi K Bhabha has a unique position and identity in terms of postcolonial studies. His recognition and uniqueness in literature and criticism is his postcolonial concepts, which he elaborated in his book "The Location of Culture" published in 1994. He has added a new chapter in literature and criticism by coining new terms like Mimicry, Hybridity, and Ambivalence. Ahmed Ali's novel presents every aspect of Muslim life, their culture, daily life, anti-colonial rebellion

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

and partiality and the uniqueness and hybridity of Muslim culture with other Indian cultures. The study shows how the colonizer changes colonized people culture and values for his nefarious purposes.

**Key Words:** *Colonialism, Postcolonialism, Hybridity, Mimicry, Culture Difference.*

افراد یا کسی گروہ کا بیرونی اور نسبتاً غیر آباد ملک میں آبادی کاری کرنا نو آبادیات کہلاتا ہے اور اپنی رہائش اور گزر بسر کا معقول بندوبست کرلیں اور مقامی آبادی کے حقوق غصب کر کے ان کے وسائل پر قابض ہو جائیں۔ مزید یہ کہ اپنے اصل وطن سے قطع تعلقی بھی نہ کریں تو ایسے گروہ یا افراد کو نو آباد کار کہتے ہیں۔ نو آباد کار اپنے غیر قانونی اور غیر اخلاقی قبضے کو قانونی اور اخلاقی جواز پیش کرنے کے لیے لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے اور تھوڑا بہت "اچھا" کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ بہت سے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے اندر احساسِ کم تری پیدا کرتا ہے۔ زبان و ادب کے میدان میں بھی باور کراتا ہے کہ نو آباد کار کی زبان اور ادب اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ نو آباد کار اپنی نو آبادکاری کو جائز ثابت کرنے کے لیے مختلف قسم کے کام کرتا ہے۔ وہ ہر وہ کام کرتا ہے جس سے اس کی حکومت کو فروغ ملے اور لوگ اسے تسلیم کریں۔ وہ معاشی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی میدانوں میں نو آبادی باشندوں کو مرعوب کرتا ہے تاکہ لوگ اس کے رعب و دبدبے میں رہیں اور بغاوت کا نہ سوچیں۔ نو آبادیاتی صورتحال کے حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیر اپنی کتاب "لسانیات اور تنقید" میں رقمطراز ہیں:

> "نو آبادیاتی صورتحال فطری اور منطقی صورتحال نہیں ہے۔ یہ از خود کسی قابل فہم قانون کے تحت رونما نہیں ہوتی۔ ہر چند اصل رونمائی تاریخ کے ایک خاص لمحے میں ہوتی ہے۔ مگر تاریخ کا یہ لمحہ کسی الہامی حکم یا فطری طاقتوں کے اپنے قوانین کی پیداوار نہیں ہوتا۔ اسے پیدا کیا جاتا ہے اور تشکیل بھی دیا جاتا ہے۔ چونکہ پیدا کیا جاتا ہے اس لیے مخصوص مقاصد کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ انسانوں کے مخصوص گروہ کے ہاتھوں مخصوص مقاصد کی خاطر برپا ہونے والی صورتحال کو نو آبادکار اور اس نظام کو نو آبادیاتی نظام کہتے ہیں۔"(۱)

زمانہ قدیم سے ہی طاقت ور قبائل کم زور قبائل کے وسائل پر قبضہ کرتے رہے۔ وسائل پر قبضے کو جدید دنیا میں نو آبادیات کہا جاتا ہے۔ طاقت ور اقوام مختلف داؤ پیچ سے کم زور ممالک کے وسائل پر قبضہ کرتی ہیں۔ نو آبادکار کی کوشش ہوتی ہے کہ نو آبادیاتی باشندوں کو جسمانی غلام کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر بھی غلام بنائے۔ اپنے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

مذموم مقاصد کے لیے وہ وہاں کے زبان و ادب پر اپنی بالادستی ثابت کرتا ہے۔ وہ باور کراتا ہے کہ غلام قوموں کا کوئی زبان یا ادبی پہچان نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال اپنی کتاب "تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات" میں رقم طراز ہیں:

> "نو آبادکار کی زندگی کا دائرہ کار نو آبادیاتی باشندوں کے دائرے سے الگ ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی باور کراتا ہے نو آبادیاتی باشندوں کے علم وفنون اور افکار بہت پسماندہ، پرانے اور روایتی ہیں۔ جن کی موجودہ دور میں کوئی اہمیت اور ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے نو آبادکار کا مقصد صرف اور صرف اپنی تہذیب و ثقافت کو نو آبادیاتی باشندوں پر مسلط کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ احساس محرومی میں مبتلا رہیں"۔ (۲)

نو آبادیاتی افراد تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں مگر نو آبادکار کی طاقت اور وسائل کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ وہ نو آبادکار کے وضع کردہ اصولوں کو من وعن قبول کرلیتے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر اپنی کتاب "لسانیات اور تنقید" میں لکھتے ہیں:

> "نو آبادکار اور نو آبادیاتی باشندے دونوں اپنی حیثیت سے برابر آگاہ ہوتے ہیں۔ نو آبادکار اپنے مقاصد، اپنے آقا، مقتدر اور اپنے استحصال زدہ ہونے کا شعور رکھتا ہے۔ اسی طرح نو آبادکار باشندہ اپنے محکوم، بے بس اور استحصال زدہ ہونے کی آگاہی رکھتا ہے۔ مگر دونوں کی آگاہی کا درجہ یکساں نہیں ہوتا۔" (۳)

ادب میں مابعد نو آبادیاتی مباحث کافی پرانے ہیں بلکہ باقاعدہ نظریہ سازی کے بعد اس رجحان نے الگ مطالعے کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس مطالعے میں نو آبادکار اور نو آبادی باشندوں کے درمیان نفسیاتی، سیاسی، تہذیبی، مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی رشتوں کا مطالعہ ادبی متون کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ادبی متون کا جائزہ مزاحمت، مفاہمت، معاونت اور دوجذبیت کی صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ مختلف ناقدین اور علما نے استعمار کار اور استعمار زدہ کے رشتوں اور ان رشتوں کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے مختلف تصورات دیے۔ ان ناقدین میں فرانز فینن، ایڈورڈ سعید اور ہومی کے بھابھا وہ نقاد ہیں جنھوں نے ان رشتوں کو سمجھنے کے لیے باقاعدہ اصطلاحات وضع کی ہیں۔

مابعد نو آبادیاتی تصورات کے حوالے سے ہومی کے بھابھا ایک منفرد حیثیت اور شناخت رکھتے ہیں۔ ادب اور تنقید میں ان کی پہچان اور انفرادیت ان کے وضع کردہ مابعد نو آبادیاتی تصورات ہیں جن کی وضاحت انھوں نے اپنی تصنیف "The Location of Culture" میں کی جو ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ انھوں نے تصورِ نقالی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

(Mimicry)، مخلوطیت (Hybridity)،اور دو جذبیت (Ambivalence) جیسی نئی اصطلاحات وضع کر کے ادب اور تنقید میں نئے ابواب کا اضافہ کیا ہے۔ ہومی کے بھابھا کے نزدیک یہ تصورات اور اصطلاحات نو آبادیاتی ادیبوں کے فن پاروں میں پائی جاتی ہیں۔

ہومی کے بھابھا کے مطابق مابعد نو آبادیاتی تصورات میں مخلوطیت وہ عمل ہے جس میں ایک ثقافت کے عناصر دوسری ثقافت میں مدغم ہو جاتے ہیں اور یہ عمل جاری وساری رہتا ہے۔ لہٰذا ثقافتی مخلوطیت ہمیشہ ایک ثقافت کے بجائے تکثیر کا سبب بنتی ہے۔ یوں بنیادی طور پر مخلوطیت مغربی اور مشرقی ثقافت کی آمیزش کو کہتے ہیں۔ ہومی کے بھابھا کے مطابق نو آبادکار مخلوطیت کو اپنے تخریبی ہتھیار کے طور استعمال کرتا ہے جبکہ نو آبادیاتی باشندے اس مزاحمت کو چیلنج کرتے ہیں۔

مقامی باشندے اپنی تہذیب و ثقافت، تمدن اور رسم و رواج کو فرسودہ سمجھنے لگتے ہیں اور ان سے نفرت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ نو آبادکاروں کی تہذیب و ثقافت اور جدید علوم سے متاثر اور مرعوب ہو کر اپنے آپ کو استعمار کاروں کے رنگ میں رنگنے لگتے ہیں۔ برصغیر میں نو آبادکار نے اپنی سیاسی حکمتِ عملی کے طور پر نو آبادی باشندوں کے ذہنوں میں جن اقدار سے نفرت کا بیج بویا ان میں خاص طور پر یہاں کی ثقافت تھی۔ استعمار کاروں کے ان حربوں اور بیانیوں کو سب سے پہلے فرانز فینن نے اور ایڈورڈ سعید نے بے نقاب کیا۔ ان ناقدین کے نظریات کی روشنی میں ادب میں مابعد نو آبادی مطالعات کا چلن عام ہوا۔

دوسروں کے اوصاف یا اچھے چلن کی نقل کرنا بری بات نہیں ہے۔ ثقافتیں ایک دوسرے کے ساتھ مدغم ہوتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے کے رسم و رواج کو اپناتے ہیں۔ یعنی نقل کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے نو آبادی باشندے استعمار کے علوم اور اس کے نظریات و تصورات سے آگاہی حاصل کر کے نو آبادکار کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ مقامی باشندوں نے استعماری علوم کے حصول کے بعد نو آبادکار کو للکارا جس سے "ردِ نو آبادیات" نے جنم لیا۔ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نقل کے اس رویے سے مقامی باشندوں کی ثقافتی شناخت دھندلا جاتی ہے اور وہ مخلوط شناخت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہومی کے بھابھا نے اس صورت کو "مخلوط شناخت" نام دیا ہے۔

مخلوطیت وہ عمل ہے جس میں ایک ثقافت کے عناصر دوسری ثقافت میں مدغم ہو جاتے ہیں اور یہ عمل جاری وساری رہتا ہے۔ لہٰذا ثقافتی مخلوطیت ہمیشہ ایک ثقافت کے بجائے تکثیر کا سبب بنتی ہے۔ یوں بنیادی طور پر مخلوطیت مغربی اور مشرقی ثقافت کی آمیزش کو کہتے ہیں۔ نو آبادکار ایک منصوبے کے تحت اپنی ثقافت پیش کرتا ہے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

اور مقامی افراد نفسیاتی طور پر اس کی ثقافت کو قبول کرتے ہیں۔ مسلط کی گئی استعماری ثقافت سے مقامی باشندوں کی مسخ شدہ شناخت مزید مسخ ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہومی کے بھابھا مخلوطیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "Hybridity is a problematic of colonial representation and individuation that reverses the effects of the colonialist disavowal, so that other 'denied' knowledges enter upon the dominant discourse and estrange the basis of its authority – the rules of recognition".(4)

ہومی کے بھابھا زبان کے تعلق سے بیان کرتے ہیں کہ فطری طور پر زبانوں کا فرق بھی ثقافتی فرق کی ایک قسم ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کس طرح استعماری طاقتیں نو آبادی باشندوں کو ان کے رسم و رواج، زبان اور ان کے ذہن تبدیل کر دیتے ہیں۔ نو آباد کار لوگوں کو ان کی ثقافت اور ان کی عادات اپنانے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ایک نکتہ اور بھی ملحوظ رہے کہ مخلوطیت لاشعوری نتیجہ ہے اور یہ فینن کے نظریے سے منسلک ہو جاتی ہے جس میں فینن کے مطابق نو آبادی باشندے ہمیشہ منقسم اور منتشر رہتے ہیں۔ فرانز فینن لکھتے ہیں:

> "The black man has two dimensions. One with his fellows, the other with the white man. A Negro behaves differently with a white man and with another Negro. That this self-division is a direct result of colonialist subjugation is beyond question".(5)

صرف مقامی افراد ہی استعماری ثقافت سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ نو آباد کار بھی مقامی ثقافت سے کسی حد تک متاثر ہوتا ہے لیکن وہ اسے اپناتا نہیں ہے۔ مقامی باشندے اس لیے نو آباد کار کی ثقافت اپناتے ہیں کہ وہ اپنی ثقافت کو کم تر اور نو آباد کار کی ثقافت کو اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ نو آبادی باشندوں کا لاشعور کبھی بھی ایک جگہ یا چیز پر مرتکز نہیں ہوتا۔ ہومی کے بھابھا کہتے ہیں کہ نو آبادیات صرف نو آبادی لوگوں کے لیے ہی ٹراما نہیں ہے بل کہ خود نو آباد کار کے لیے بھی ایک کڑی آزمائش ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

احمد علی کے ناول "دلی کی شام" کا اگر مابعد نو آبادیاتی تناظر میں جائزہ لیا جائے تو اس میں بہت سے ایسے مابعد نو آبادیاتی عناصر ملتے ہیں جو مابعد نو آبادیاتی صورت حال کی وضاحت کرتے ہیں۔ میر نہال ایک مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی حکومت کا عروج بھی دیکھا تھا اور اب انگریزوں کے عروج کا عینی شاہد ہے۔ اس کے ذہن میں انگریزوں سے نفرت پنپ رہی ہے۔ وہ انگریزی ثقافت کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ جب اس کا بیٹا اصغر انگریزی حلیے میں نظر آتا ہے۔ میر نہال کہتا ہے:

> "تمھیں معلوم ہے مجھے ان انگریزی جوتوں سے چڑ ہے۔ نہ ادب رہا نہ لحاظ۔ باپ کے کہنے کو اس کان سنا اس کان اڑا دیا۔ میر نہال کا بیٹا اور انگریزی بوٹ میں اکڑتا پھرے۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ کس کا خون ہو۔ میری اولاد اور یہ طور! کان کھول کر سن لو میاں صاحبزادے! جب تک میں زندہ ہوں تمھاری فرنگیت اس گھر میں نہیں چلے گی۔ جاؤ پھینکو ابھی ان جوتوں کو۔ بس آخری بار کہہ رہا ہوں۔ آئندہ کسی قسم کی بے راہ روی میں نہ دیکھوں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا"۔ (۶)

نو آبادکار جب نو آبادی پر قبضہ کر لیتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کو مختلف سطح پر تقسیم کر دیا جائے۔ کبھی وہ زبان اور مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرتا ہے تو کبھی رنگ و نسل کے افتراقات کو ہَوا دیتا ہے۔ نو آبادی باشندے اس کے جال میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح کی صورت حال "دلی کی شام" میں دیکھنے کو ملتی ہے جب اصغر اپنے دوست بندو کی بہن بلقیس سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اصغر ایک مسلمان ہے اور دینِ اسلام مساوات کا درس دیتا ہے۔ مسلمان ہندو معاشرے میں رہتے ہوئے ذات پات میں فرق کرنے لگے۔ اسی طرح کا ثقافتی فرق اصغر اور بلقیس کی شادی کے دوران دیکھنے کو ملتا ہے۔ احمد علی "دلی کی شام" میں لکھتے ہیں:

> "وصال کی امید صرف شادی ہی پر منحصر تھی۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ یہ بات بھی ممکنات میں سے ہے۔ دونوں کے خاندانوں میں ایک خلیج حائل تھی۔ چونکہ مرزا شہباز بیگ نہ صرف مغل تھے بلکہ ان کا حسب نسب بھی درست نہ تھا۔ بھلا میر نہال اس رشتے پر کیوں کر رضامند ہو سکتے تھے۔ آخر وہ اسی خاندان کے فرد تھے جو عربستان سے آیا تھا اور جس کو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

اپنے اصل نسل سید ہونے پر ناز اور عالی نسبی پر ہمیشہ فخر رہا، اور اس تناور درخت میں لچک پیدا کرنا پتھر میں جونک لگانے سے زیادہ مشکل تھا"۔(۷)

اسی طرح کا ثقافتی فرق اصغر کی سب بڑی بہن وحیدہ بیگم کے بارے میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہندوؤں میں رواج ہے کہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ ساری زندگی دوسری شادی نہیں کرتی۔ جب کہ مسلمانوں میں عقدِ ثانی سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ وحیدہ بیگم کی کی شادی بھوپال میں سید وحید الحق سے ہوئی اور عین جوانی میں شوہر کا انتقال ہو گیا لیکن وحیدہ بیگم نے دوسری شادی کا سوچا بھی نہیں۔ احمد علی "دلی کی شام" میں لکھتے ہیں:

"ابھی دوسرا بچہ گود ہی میں تھا کہ عین عالم شباب میں ہاتھوں کی چوڑیاں ٹھنڈی ہو گئیں۔ حالانکہ اسلام نے نکاحِ ثانی کی اجازت دی ہے مگر انہوں نے اپنے اوپر رنگ وریشم حرام کر لیا۔ اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ ہندوؤں کے ہاں بیوی کی شادی مذہباً منع ہے اور ہندوستان میں رہنے بسنے والے مسلمانوں پر بھی ان کے رسم ورواج کا اثر ہونا لازمی تھا"۔(۸)

احمد علی نے "دلی کی شام" میں مسلمان ثقافت میں دراڑوں اور عیوب کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ مسلمان صدیوں سے ہندو معاشرے میں رہ رہے تھے۔ بہت سے ہندووانہ رسوم رواج مسلم ثقافت میں دَر آئے تھے۔ ایسی ہی مخلوط ثقافت کے بارے میں اس ناول میں جابجا اشارے موجود ہیں۔ مثال کے طور پر میر نہال ایک مسلمان ہیں اور اسلام میں داشتہ رکھنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ وہ شادی شدہ اور بال بچوں والے ہیں لیکن اپنی بیوی کو دھوکہ دیتے ہیں۔ بیگم نہال ان کی ضرورتوں اور آرام وآسائش کا خیال رکھنے والی بیوی تھی۔ اس کے باوجود انھیں نجی زندگی بے کیف وسرور لگتی تھی۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے اپنے لیے ایک طوائف رکھی ہوئی تھی۔ احمد علی ناول "دلی کی شام" میں یوں رقم طراز ہیں:

"پانچ برس پہلے انھوں نے ببن جان کو محض وقت گزاری اور اپنی دل بستگی کے لیے بطورِ داشتہ رکھ لیا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ ایک وقت آیا کہ یہ وقتی دلبستگی بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھی کہ دونوں میں رشتہ محبت استوار ہو گیا انھوں نے ببن جان کے ہاں اپنی دنیا الگ بسالی۔ ایک خواب کی سی دنیا جہاں پہنچ کر وہ اپنے تمام غم غلط کر لیا کرتے اور اپنے تئیں تھوڑی دیر کو بھول جاتے تھے جس سے روح میں نمود اور زندگی کی خواہش تر و تازہ اور شاداب ہو جاتی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

تھی اور اب پیرانہ سالی میں یہ سارے تکلیف دہ احساسات جراحتِ دل کا باعث ہو رہے تھے اور ان کو اپنی زندگی کی شام ہوتی دکھائی دی جس میں تنہائی کے سائے طویل اور دراز تھے"۔(۹)

میر نہال ایک سید مسلمان تھے اور اس پر فخر بھی کرتے تھے۔ اسلام میں دوسری عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات کی سخت ممانعت ہے لیکن میر نہال نے بن جان سے ناجائز تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ اس کے لیے ایک مکان کرائے پر لے کر دے دیا تھا۔ میر نہال رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کے بہانے روزانہ بن جان کے گھر چلے جاتے تھے۔ اسی بن جان سے ان کے نوکر غفور کے بھی ناجائز تعلقات تھے۔ اگرچہ اس بات کی خبر میر نہال کو بھی تھے لیکن وہ اس کے کرتوت جانتے ہوئے بھی اسے تنبیہ نہ کرتے تھے۔ میر نہال کے طوائف بن جان سے ناجائز تعلقات کے بارے میں احمد علی "دلی کی شام" میں لکھتے ہیں:

> "جب سے میر نہال نے بن جان کو رکھ لیا تھا وہ گانے بجانے کا پیشہ چھوڑ کر چاوڑی سے دریبہ میں اٹھ آئی تھی، جہاں میر نہال نے اس کے لیے ایک مکان کرایہ پر لے دیا تھا۔ بن جان ایک تو نوجوان تھی دوسرے اس کے چتون میں بھانت تھی، پھر اونچے طبقہ کی شائستہ طوائف، یہ طوائفیں نہ صرف فنِ موسیقی میں مہارت رکھتی تھیں بلکہ ان کا ذوقِ شعر و سخن اور فہم ادب بھی ارفع و اعلیٰ ہوتا تھا۔۔۔بن جان اپنے غمزہ و ناز سے ان کی دل بستگی میں مصروف رہتی اور میر صاحب تمام دن کی کوفت مٹانے کے بعد آدھی رات گئے گھر آکر کر سو جاتے"۔(۱۰)

احمد علی نے "دلی کی شام" میں مسلمان معاشرے کی بے رہ روی اور اختلاط کو بیان کیا ہے۔ مسلمان معاشرہ "امر بالمعروف" اور "نہی المنکر" کی بنیاد پر قائم ہے۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اچھائی کے کاموں میں تعاون کرے اور برائی کے کاموں سے روکے۔ لیکن ناول "دلی کی شام" میں ہمیں اس کے برعکس صورت حال کا سامنا ہے۔ میر نہال کا دوست نواب پتن جانتے ہیں کہ میر نہال نے ایک داشتہ رکھی ہوئی ہے۔ جب ان کے دوست نے بن جان کا حال پوچھا اور میر نہال کی زبانی انھیں معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے تو نواب پتن گویا ہوئے:

> "آپ کو تو خیر اس سے جو تعلق تھا سو معلوم ہے، مگر مجھے بھی اس کی مرگِ ناگہاں کا سن کر خاصی تکلیف ہوئی۔ بالکل جوان تھی"۔(۱۱)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

میر نہال کے غم زدہ چہرے کو دیکھ کر انھیں دوسری رنڈی رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔۔نواب پتن کہتے ہیں:

"آپ نے میر صاحب کمال کر دیا۔ ذرا دیکھیے تو سہی ایک دن میں صورت کیا سے کیا ہو گئی۔ ایک رنڈی اور اس کا اتنا غم کہ گھل کر رہ گئے۔ حضرت اللہ کی دی بہت۔ آپ کو کیا کمی ہے ایک اور داشتہ رکھ لینا"۔ (۱۲)

میر نہال اور نواب پتن کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مطابق طوائف یا داشتہ سے رشتہ استوار کرنا قطعاً بری بات نہیں ہے۔ خواتین سے ناجائز تعلقات رکھنا مسلمان ثقافت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

میر نہال کے نہ صرف طوائفوں سے ناجائز تعلقات تھے بل کہ گھر کی نوکرانی دلچیں کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ ان کے ان ناجائز تعلقات کا ان کی عائلی زندگی پر بھی کافی گہرا اثر پڑا تھا۔ ان کی بیوی، بیگم نہال نیم پاگل ہو گئیں تھیں۔ ناول "دلی کی شام" میں اصغر اور اس کی بڑی بہن وحیدہ بیگم آپس میں گفتگو کرتے ہیں جس سے میر نہال اور دلچین کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے:

"نہیں آپا میں ازل سے بد قسمتی اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ہوش سنبھالا ہی تھا کہ آپ کو یاد ہو گا اماں کے دماغ میں فتور آ گیا۔ تمام دن کوئلہ سے دیواروں پر شعر لکھا کرتی تھیں۔۔۔یاد ہے نا؟"

"ہاں بڑے منحوس دن تھے وہ۔ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے مگر اس وقت تو تم بالکل بچے تھے۔ اے تمھیں کیا یاد ہو گا۔ اماں کی بیماری تو اس وقت شروع ہوئی تھی جب دلچین کے ہاں بچہ ہوا تھا۔ مگر بد نصیب زیادہ جیا کہاں۔"

"ہاں ہاں مجھے سب معلوم ہے۔ ابا اور دلچین۔۔۔"اصغر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وحیدہ بیگم نے اسے ٹوک دیا۔"(۱۳)

ہندو معاشرہ ذات پات اور اونچ نیچ سے بھرا ہوا ہے۔ ہندوؤں نے انسانوں کو ان کے پیشوں یا کام کے لحاظ سے مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اگر کوئی شودر کسی برتن میں کھا پی لے تو اس کے برتن میں دوسری ذات والے کھانا کھانا پسند نہیں کرتے۔ اونچی ذات والے نیچ ذات کے لوگوں سے رشتے ناتے نہیں جوڑتے۔ یہی ثقافتی رسوم مسلمان خاندانوں میں بھی نظر آنے لگی ہیں۔ وحیدہ بیگم نے جب اصغر کی شادی بلقیس سے کرنے کے لیے بیگم نہال سے کہا تو انھوں نے کہا کہ ہم سید ہیں اور کسی مغل گھرانے سے رشتہ نہیں لے سکتے۔ وحیدہ بیگم نے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

تجویز دی کہ اشفاق بھائی کی شادی بھی تو اسی گھرانے میں ہوئی ہے۔ ذات پات کے فرق کو ختم کر دینا چاہیے۔ یہ سن کر بیگم نہال خفا ہو گئیں اور غصے میں جواب دیا:

> "اشفاق کنویں میں گریں تو کیا ہم بھی گر جائیں گے؟ ان لوگوں کی نہ نسل درست نہ خون۔ بی وحیدہ جب تک میرے سانس باقی ہیں میری دہلیز پر سیدانی کے علاوہ کسی کا ڈولا نہیں آئے گا۔ تم میری بیٹی ہو کر یہ باتیں کر رہی ہو۔ میرا بیٹا اور مغل بچی لائے؟ استغفار۔ تم پہلے مجھے زہر دے دو پھر اپنے بھائی کے لیے کرسٹان، فرنگن، چوڑی چماری جو چاہو لاؤ۔ اور وہ نہیں سنا: مغل کا پوت گھڑی میں اولیا گھڑی میں بھوت۔ میرے جیتے جی یہ ہر گز نہ ہو گا"۔ (۱۴)

ناول "دلی کی شام" کا ہومی کے بھابھا کے تصورات کی روشنی میں جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ناول میں جگہ جگہ مخلوطیت، نقالی اور دوجذبیت کے عناصر موجود ہیں۔ ناول میں نو آبادیاتی دور کے مسلمانوں کے حالاتِ زندگی اور معاشرتی اقدار کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں خاص طور پر مسلمان معاشرے میں استعماری اثرات کو ظاہر کیا گیا ہے۔ احمد علی نے نو آبادیاتی دور کے دوران ہندوستان کی ثقافتی اور سماجی تبدیلیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ ناول برصغیر میں نو آبادیاتی دور کی ثقافت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ "دلی کی شام" میں نو آبادیاتی ثقافت اور ہندوستانی ثقافت کے درمیان ربط واضح کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی ثقافت مخلوطیت کا شکار ہے۔ ناول میں مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو، ان کی ثقافت، روزمرہ کی زندگی، نو آبادیات کے خلاف بغاوت اور جانبداری اور دوسری ہندوستانی ثقافتوں کے ساتھ مسلم ثقافت کی انفرادیت اور مخلوط خصوصیات کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح نو آبادکار اپنے مذموم مقاصد کے لیے ان کی ثقافت اور اقدار کو تبدیل کر دیتا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

## حوالہ جات


۱۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، "لسانیات اور تنقید"، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۲۹

۲۔ اشرف کمال، ڈاکٹر، سر سید احمد خان اور جدت پسندی، غضنفر اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۴ء، اشاعت دوم، ص ۸۳

۳۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، ص ۲۶

4. Homi k. Bhabha, "The Location of Culture" Routledge, London, 2003, p.162

5. Fanon, Frantz. "The Negro and Language" Introduction to Literary Theory, and Criticism. Ed. by Julie Napolin. New York: Eugene Lang College, 2014. P.17

۶۔ احمد علی، "دلی کی شام" مترجم بلقیس جہاں، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۱۶

۷۔ ایضاً، ص ۳۵

۸۔ ایضاً، ص ۳۵

۹۔ ایضاً، ص ۱۳۱-۱۳۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۴

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۴۔ ایضاً، "، ص ۶۴